مارٹن لوتھر کنگ جونیئر

کی زیارتِ ہندوستان

لورنڈا کیز لونگ

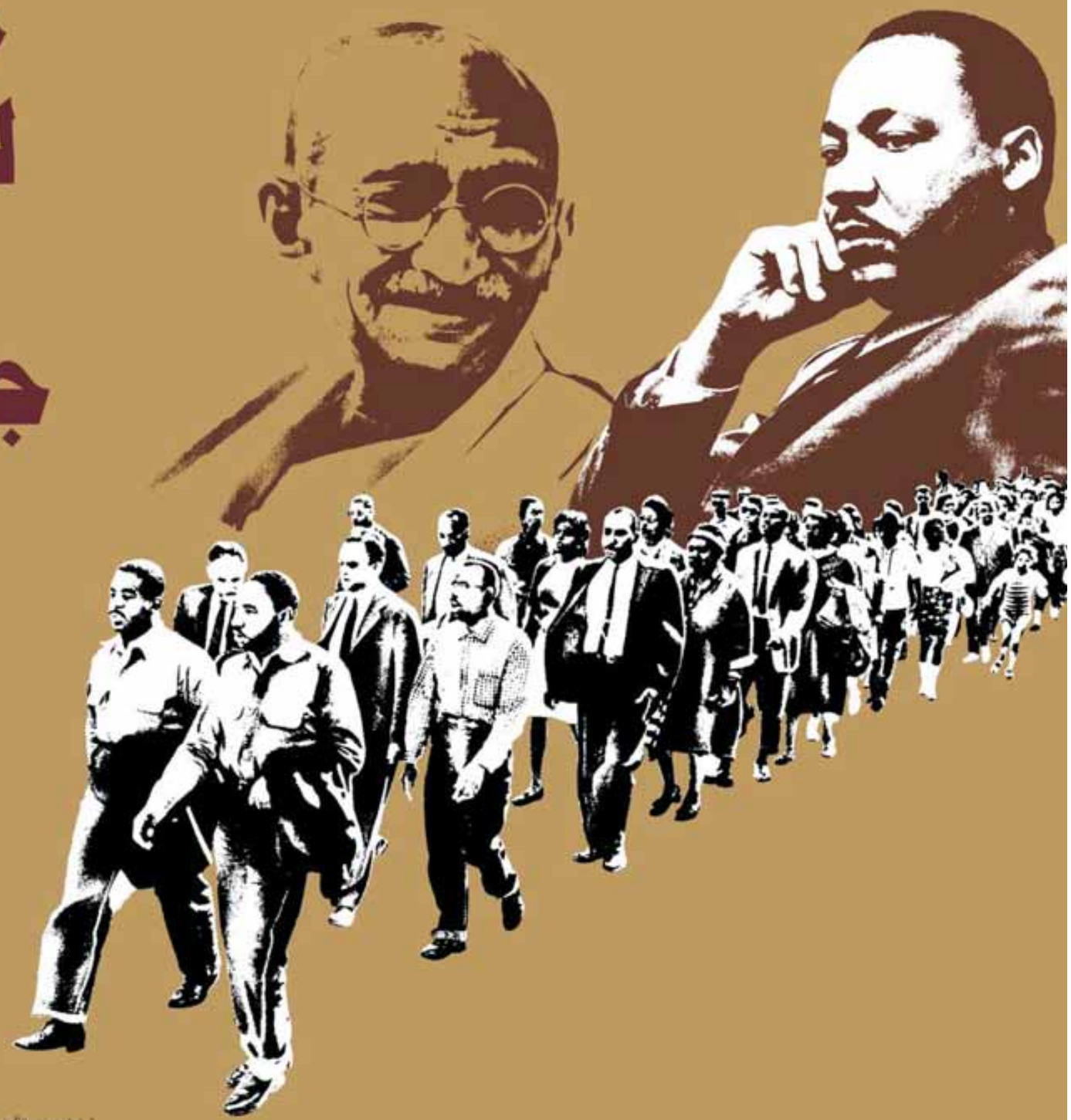

ہندوستانیوں کی تحریک عدم تشدد، عدم تعاون اور مقاطعہ کے ذریعہ حاصل کی گئی آزادی کے ٹھیک ۱۲ سال بعد افریقی امریکی عوام، غیر منصفانہ قوانین کو بدلنے کے لئے انھی طریقوں کا استعمال کر رہے تھے۔

السٹریشن ہیمنت بھٹناگر ذریعہ تصاویر کالے بی ڈبلیو ڈبلیو بی، بوٹاچی آر، ایکاٹولو م ہاٹلہ ہاؤس پریس آفس

اوپر: ایک پولس مین ایبر نیتھی (بائیں) اور کنگ کو ایک مظاہرے سے لے جاتا ہوا۔ یہ مظاہرہ ان لوگوں نے برمنگھم، الباما میں ۱ اپریل ۱۹۶۳، کو تجارتوں میں جاری تفریق کے خلاف منعقد کیا تھا۔

نیچے: کنگ مارچ ۲۲، ۱۹۵۶ کو سٹی بسوں کے بائیکاٹ کی سازش میں قصور وار قرار دئے جانے کے بعد مونٹ گومری کورٹ ہاؤس سے باہر آتے ہوئے اپنی اہلیہ کورینا کا بوسہ قبول کرتے ہوئے۔ کیس کے خلاف اپیل کئے جانے کی وجہ سے جج نے جرمانہ کو موخر کردیا۔

اوپر: مارٹن لوتھر کنگ جونیئر (دوسری صف میں بائیں) ریورینڈس رالف ابیرنیتھی (اگلی صف، بائیں) اور گلین اسمائلی (دوسری صف، دائیں) کے ساتھ، دسمبر ۲۱، ۱۹۵۶ کو نسلی تفریق کو سپریم کورٹ کے غیر آئینی قرار دینے کے فیصلہ کے بعد مونٹ گومری، الباما بس میں۔

نیچے: کنگ زن و شوہر مارچ ۱۷، ۱۹۶۳ کو اٹلانٹا، جارجیا کے اپنے گھر میں اپنے بچوں (بائیں سے) مارٹن III، ڈیکسٹر اور یولانڈا کے ساتھ ان کی شیر خوار بچی برنائس نظر نہیں آرہی ہے۔

۱۹۵۹ کے اوائل تک، مارٹن لوتھر کنگ جونیئر، امریکہ کی جنوبی ریاست الباما میں بسوں اور کاروباروں کا کامیاب مونٹ گومری مقاطعہ کر چکے تھے۔ انہیں اور ان کے رفقاء اور پیروؤں کو گرفتار کیا گیا، قید کیا گیا، سزائیں دی گئیں، جرمانہ عائد کیا گیا، دھمکیاں دی گئیں اور زدوکوب کیا گیا۔ لیکن وہ ۱۹۵۶ میں امریکی سپریم کورٹ کے تاریخی فیصلے پر جشن منا رہے تھے کیونکہ اس فیصلے کی رو سے وہ تمام قوانین غیر آئینی قرار دے دئے گئے تھے جو نسلی بنیادوں پر عوامی وسائل مقرر کرتے ہیں۔ نسلی تفریق پر مردہ ہوگئی لیکن مردہ نہیں ہوئی۔

افریقی امریکیوں نے ناانصافی پر مبنی قوانین کے خلاف تشدد سے پاک مزاحمت، اور ان آمرانہ قواعد و ضوابط کے خلاف عدم تعاون کی پالیسی اپنائی جو انہیں دوسرے درجے کے شہری قرار دئے جانے پر مُصر تھے۔ اس تحریک کے بارے میں خبروں کی رپلیں، تصویریں اور اخباری مضامین ہندوستانیوں کے لئے بے حد کشش رکھتے تھے کیونکہ بارہ سال قبل انہوں نے بھی ایسے ہی طریق کار کو اپنا کر آزادی حاصل کی تھی۔

کنگ بھی دونوں تحریکوں کے مابین قدر مشترک پر اظہار خیال کر رہے تھے۔ جون ۱۹۵۶ میں، سیاہ فام لوگوں کی پیش رفت کے لئے بنائی گئی قومی تنظیم کے قومی اجلاس میں ایک تقریر کے دوران انہوں نے کہا "یہ روحانی قوت کا کمال تھا، جس کی بنیاد پر موہن داس کرم چند گاندھی نے برطانیہ کے سیاسی تسلط، اقتصادی استحصال اور تحقیر و تذلیل سے اپنی قوم کو نجات دلائی۔" تفریق پر مبنی مقاطعہ دراصل چرچ سے وابستہ و پیوستہ ایک وسیع، کثیر ریاستی اور غیر متشدد مہم تھی جس نے ان قوانین، روایات اور تعصبات کو تہ خاک کر دیا جنہوں نے گذشتہ دو صدیوں سے افریقی امریکیوں کو ان کے آئینی حقوق سے محروم کر رکھا تھا۔

جابجا مقاطعے، جلوس، احتجاجی مظاہرے، چرچ میٹنگیں اور شب بیداریاں ہوری تھیں۔ کئی خاندان ایسے تھے جن کے گھر نذر آتش کر دئے گئے تھے اور جو اپنے مکانوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے۔ کئی خاندان خوف کی وجہ سے پوری رات بیٹھ کر گزار رہے تھے۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کو پیٹا جا رہا تھا اور ان کے منہ پر تھوکا جا رہا تھا۔ انہیں ملازمتوں، حق رائے دہندگی، ہراس کے بغیر سڑکوں پر چلنے، اچھے اسکولوں میں داخلہ لینے، عوامی لائبریری سے استفادہ کرنے، کسی ریستوراں میں کھانے پینے، پارک کی بنچ پر بیٹھنے، عوامی بیت الخلاء میں جانے یا کسی عوامی جگہ پر پانی پی لینے سے محروم کر دیا گیا تھا۔

امریکی تحریک برائے مدنی حقوق کی بازگشت ہندوستان میں صاف اور واضح طور پر سنی جا رہی تھی کیونکہ یہاں دلت اور "نیچ ذاتوں" میں پیدا ہونے والے افراد صدیوں اسی قسم کے ظلم و جبر کو برداشت کرتے چلے آرہے تھے جنہیں افریقی امریکی، صدر ابراہم لنکن کے اعلامیہ برائے خاتمۂ غلامی کے بعد جھیل رہے تھے۔ حالانکہ اب انہیں امریکہ کے مکمل شہری ہونے کا درجہ مل چکا تھا لیکن نہ صرف جنوبی ریاستوں میں بلکہ دیگر مقامات پر بھی انہیں قتل و غارت کیا جا رہا تھا، ان کی تحقیر و تذلیل کی جا رہی تھی، ان کے ساتھ نسلی منافرت برتی جا رہی تھی اور ان کے حقوق پامال کئے جا رہے تھے۔ لوگوں کی شکل و شباہت، نسل، خاندان، نام یا قبیلے کی بنیاد پر پوری دنیا میں تفریق کے چلن اور ذات پات کے نظام کے خلاف اگر قوانین وضع کر دئے جائیں تو بھی ان کے مکمل نفاذ میں کئی دہائیاں صرف ہوں گی۔ کون جانتا ہے کہ ان پر صدیوں، قرنوں سے ظلم و جبر کرنے والوں کے دل کب بدلیں گے؟ شاید صدیوں میں۔

ذرائع: دی آنو بایو گرافی آف مارٹن لوتھر کنگ جونیئر تالیف کلے بورن کارسن، مارٹن لوتھر کنگ جونیئر کا ۱۹۵۹ میں دورۂ ہند از مارٹن لوتھر کنگ جونیئر ریسرچ اینڈ ایجوکیشن انسٹی ٹیوٹ، اسٹین فورڈ یونیورسٹی، ورد دی کنگس ان انڈیا، گاندھی نیشنل میموریل فنڈ، مضامین از جیمس ای برسٹل اور سوامی وشو آنند، مہاتما گاندھی اور مارٹن لوتھر کنگ جونیئر از میری کنگ۔

کنگ اور ان کے رفقاء حقیقت پسند اور حقیقت آشنا تھے۔ انہیں خوب اندازہ تھا کہ یہ کس قدر دشوار ہے، اور اس کے لئے کس قدر مدت درکار ہے۔ اس کے باوجود بھی وہ بہادر، صابر اور امن پسند تھے، حالانکہ وہ خود ساختہ عدالتوں سے دی جانے والی سزائے موت، آتش زنی اور چرچوں پر بم پھینکے جانے کے خوف و خطرات سے دوچار تھے لیکن اس کے باوجود پر امید، رجائیت پسند، پر عزم اور عقیدت سے سرشار تھے۔ واشنگٹن ڈی سی میں اگست ۲۸، ۱۹۶۳ کو کنگ نے جو تقریر کی تھی، وہ اس عقیدہ کی عکاسی تھی، "میرا ایک خواب ہے کہ وہ دن ضرور آئے گا جب میرے چار چھوٹے بچے ایک ایسے ملک میں رہ رہے ہوں گے جہاں انہیں ان کی جلد کی رنگت سے نہیں بلکہ ان کے کردار کی عظمت سے پہچانا جائیگا۔" اُس خواب میں یہ امید پوشیدہ تھی کہ کبھی نہ کبھی ایک افریقی امریکی اس ملک کی کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہوگا۔ کنگ کے ذہن میں بارک اوباما کا تصور نہیں رہا ہوگا۔ ایک کینیائی باپ اور ایک سفید فام ماں کے چھ سالہ بیٹے اوباما اس وقت انڈونیشیا میں رہتے تھے جب کنگ نے اس دار فانی سے کوچ کیا۔ قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ ۴۰ سال بعد کنگ کے بچوں کی زندگی میں ہی بارک اوباما امریکہ کے صدر منتخب ہوئے۔

۱۹۵۹ میں ہی چند لوگ یہ سوچ رہے تھے کہ ہوسکتا ہے کہ خود کنگ پہلے افریقی امریکی صدر بن جائیں۔ ان کی خطیبانہ لیاقت، قائدانہ صلاحیت، حکمت عملی کی منصوبہ سازی، شجاعت اور خوش مزاجی نے دنیا کے گوشے گوشے میں انہیں مرجع خاص و عام بنا دیا تھا۔ ان کے چاہنے والوں کی طویل ترین فہرست میں وزیر اعظم جواہر لال نہرو کا نام بھی شامل ہے۔ ۱۹۵۶ میں امریکہ کے ایک مختصر دورے کے دوران انھوں نے اپنی خواہش دیرینہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ کاش وہ کنگ سے ملے ہوتے۔ ہندوستانی نمائندگان نے یہ روایت برقرار رکھی۔

ہندوستان میں امریکی سفیر محترم چیسٹر باؤلز نے بھی ایسی ہی خواہش کا اظہار کیا۔

اسٹین فورڈ یونیورسٹی، کیلی فورنیا کے کلے بورن کارسن کی تالیف کردہ "مارٹن لوتھر کنگ کی سوانح حیات" میں کنگ کے تاثرات مذکور ہیں، "مونٹ گومری مقاطعہ کے دوران ہندوستان کے گاندھی، غیر متشدد سماجی انقلاب کی ہماری تکنیک میں مشعل راہ تھے۔ چنانچہ بسوں میں نسلی تفریق کے خلاف ہماری مزاحمت جیسے ہی کامیاب ہوئی، میرے چند احباب نے کہا "آپ ہندوستان جا کر خود اپنی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھتے کہ آپ کی محبوب اور موثر شخصیت مہاتما نے وہاں کیا عظیم کارنامہ کر دکھایا ہے؟"

بالآخر کنگ اپنی اہلیہ کوریٹا کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔ ان کے ہمراہ کنگ کے سوانح نگار، الباما اسٹیٹ کالج کے پروفیسر لارنس ریڈک بھی تھے۔ انہوں نے ہندوستان میں ایک ماہ سے کم مدت گزاری۔ پروازوں کی مشکلات کی وجہ سے وہ ۹ فروری ۱۹۵۹ کو ممبئی تشریف لائے، رات تاج محل ہوٹل میں گزاری اور اگلے دن ہی نئی دہلی میں واقع پالم ہوائی اڈے پر دو دنوں کی تاخیر سے پہنچے۔

لیکن اس پیش منظر کا خاکہ سالوں پہلے اس وقت بن چکا تھا جب کنگ، اٹلانٹا، جارجیا کے مور ہاؤس کالج میں ایک طالب علم تھے۔ کالج کے پرنسپل بنجامن ایلیجاہ میز ان کے اتالیق تھے۔ یہاں انہوں نے گاندھی کی تحریریں پہلی بار پڑھیں۔ میز "گاندھی کے افریقی امریکی پیروؤں کی بڑھتی ہوئی تعداد میں سے ایک تھے اور حال ہی میں ہندوستان ہو کر آئے تھے۔" انہوں نے کنگ کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے تھے۔ گاندھی فاؤنڈیشن، امریکہ کے ایچ ڈی شیو داس رقم طراز ہیں۔

دورۂ ہند کے خاتمے کے بعد، کنگ کے بقول ریڈک نے ان سے کہا "...... میرا حقیقی امتحان اس وقت ہوا جب گاندھی کے شناساؤں نے مجھے نظر انداز کیا، مجھ پر اور مونٹ گومری تحریک پر پھبتیاں کسیں۔" انھوں نے اپنے طوفانی دورے کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا: "یہ دورہ ہماری زندگی کا سب سے گہرا اور چشم کشا تجربہ تھا۔"

انہوں نے ہزاروں لوگوں سے گفتگو کی۔ سڑک پر چلتے ہوئے یا گھر ٹرینوں، کاروں اور ہوائی جہازوں میں سفر کے دوران لوگوں نے نام لے کر انھیں مبارکباد دی، آٹوگراف لینے کیلئے ہجوم نے انہیں گھیر لیا۔ گاؤں کے غریب ترین گھروں اور پرشکوہ محلوں دونوں جگہ لوگوں نے ان کا گرم جوش استقبال کیا۔ انہوں نے کہا کہ "جس قدر انھوں نے تقریریں کیں، ان کی بیوی نے اسی قدر گانے گائے۔"

فروری ۱۰، ۱۹۵۹ کو نئی دہلی پہنچنے پر کنگ زن و شو کا پھولوں کے ہار پہنا کر استقبال کیا گیا۔

امریکن فرینڈز سروس کمیٹی (یا کویکرز، ایک صلح جو اور امن پسند عیسائی فرقہ) نے گاندھی نیشنل میموریل فنڈ کے اشتراک سے اس دورے کی کفالت کی۔ نئی دہلی میں کویکر سینٹر کے ڈائرکٹر جیمز ای برسٹل نے پورے سفر کے دوران گائڈ کے فرائض انجام دئے۔ حکومت ہند نے اس دورے کی میزبانی نہیں کی، تاہم نہرو نے انہیں ایک خیر مقدمی پیغام ارسال کیا اور ہندوستان میں کنگ کے قیام کی دوسری شب ایک عشائیے کا اہتمام کیا۔ وزیر اعظم نے ایک رات پہلے ہی کنگ زن و شو کے اعزاز میں عشائیے کا نظم کیا تھا لیکن کہرے کی وجہ سے پرواز میں تاخیر ہوئی اور انہوں نے عشائیے کو دوسرے دن منتقل کر دیا۔ اس عجیب و غریب اقدام نے پروٹوکول نگرانوں کو نہ صرف حیرت زدہ کر دیا بلکہ کشمکش میں ڈال دیا۔

دس فروری کا دن خیر مقدموں، گل پوشیوں اور کانفرنسوں کی نذر ہو گیا۔ کنگ اس سے اسقدر متاثر ہوئے کہ کہہ اٹھے: "دوسرے ملکوں میں، میں ایک سیاح کی طرح جاتا ہوں لیکن ہندوستان میں، ایک زائر کی حیثیت سے آیا ہوں۔" وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ چار گھنٹے انتہائی پرکشش تھے کیوں کہ کنگ اور نہرو اپنے زمانے کے کئی اہم مسئلوں پر بنیادی اختلاف رکھتے تھے۔ یہ وہ مسئلے تھے جن پر کاروان انسانی آج بھی اختلاف کا شکار ہے۔

کنگ زن و شو نے اپنے دورے کی آخری شام مارچ ۹، ۱۹۵۹، گاندھی کی تعلیمات کے شارح، آچاریہ جے بی کرپلانی (بائیں سے تیسرے) کی رہائش گاہ پر گزاری۔ دیگر (بائیں سے) کرپلانی کی سکریٹری شانتی اور کویکر سینٹر کی باربرا برسٹل اور جیمس ای برسٹل۔

ہندوستان میں مفلسوں اور ناداروں کی ایک بڑی تعداد نے کنگ کو اسی طرح متاثر کیا جس طرح آج کے سیاح پہلی بار انھیں دیکھ کر ہوتے ہیں۔ کنگ نے اس دورے کے بارے میں، بعد کے ایام میں تحریر کیا، "جہاں جہاں ہم گئے ہم نے انسانوں کا ہجوم دیکھا .....زیادہ تر لوگ مفلوک الحال تھے اور بوسیدہ اور ناکافی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ مثلاً ممبئی شہر میں کم و بیش پانچ لاکھ سے زیادہ بے روزگار یا جز وقتی ملازمین، بے کس اور بے بس افراد سڑکوں پر سوتے ہیں۔" جب انھیں ہوائی اڈے سے کسی لکژری ہوٹل میں لایا جا رہا تھا تو کنگ اور مسز کنگ نے راستے میں غربت و افلاس کے جو مناظر دیکھے، ان سے وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ کوریٹا اسکاٹ کنگ نے اپنی خود نوشت سوانح میں لکھا، "نحیف و نزار انسان صرف ایک غلیظ دھوتی باندھے کوڑے دانوں کو کھنگال رہے تھے۔ ان منظروں نے میرے شوہر کو نہ صرف غمزدہ کیا بلکہ مایوس اور پژمردہ بھی کر دیا۔ ایسی زبوں حالی، ایسی مایوس کن بدحالی تو ہم نے افریقہ میں بھی نہ دیکھی تھی۔"

کنگ زن و شو اور لارنس ریڈک نئی دہلی کے گاندھی میموریل میں عبادت کرتے ہوئے۔

ان چیزوں کے مشاہدہ سے پہلے، کنگ افریقہ کے دورے کے بعد ایسے متعدد مسئلوں کے بارے میں فکرمند تھے جو مابعد نوآبادیاتی حکومتوں کو درپیش تھے۔ وسائل کو کس طرح استعمال کیا جائے، مغربی

سرمایہ دارانہ نظام، اشتراکیت، سوویت پروردہ ناوابستگی اگر قابل قبول ہوں تو انھیں کس طرح اپنایا جائے۔ چھوٹی دستکاریوں کو فروغ دیا جائے یا بڑی بڑی فیکٹریاں بنائی جائیں۔

ترقی پذیر ملکوں کے مسائل، خاص طور پر اپنی فوجیں بنانے اور اسلحوں کی خریداری میں بیش قیمت قومی وسائل کے صرفے نے انھیں فکرمند کر دیا تھا۔ دہلی میں ۹، مارچ کو اپنی آخری نیوز کانفرنس میں انھوں نے ہندوستان سے درخواست کی کہ وہ ترک اسلحہ کے یکطرفہ اقدام کی ایک نظیر قائم کرے۔ انھوں نے کہا، "جس طرح ہندوستان نے دنیا کو یہ دکھانے میں پہل کی کہ قومی آزادی غیر متشدد طور پر بھی حاصل کی جا سکتی ہے، اسی طرح ہندوستان کو عالمی ترک اسلحہ کی صدا بلند کرنے میں قائدانہ کردار ادا کرنا چاہئے۔ اگر کوئی ملک اس کی آواز پر لبیک نہ کہے تو ہندوستان کو یکطرفہ ترک اسلحہ کا اعلان کر دینا چاہئے۔ یہ حوصلہ مندانہ اقدام، مہاتما کے جذبۂ صادق کی عظیم ترجمانی ہوگی اور باقی دنیا کے ملکوں کے لئے عظیم محرک ہوگا۔" یہ مشورہ دراصل ونوبا بھاوے کی صدائے دردمند کی بازگشت تھا اور گاندھی کے اس کھلے خط کے سیاق و سباق میں تھا جسے انھوں نے دوسری عالمی جنگ کے آغاز میں برطانوی عوام اور یہودیوں کے لئے تحریر کیا تھا۔ انہوں نے انھیں مشورہ دیتے ہوئے لکھا تھا کہ اگرچہ وہ مفتوح ہو جائیں یا ملک بدر کر دئے جائیں یا ہلاک کر دئے جائیں تب بھی انھیں جنگ سے گریز کرنا چاہئے۔

اسٹین فورڈ کے مارٹن لوتھر کنگ جونیئر ریسرچ اینڈ ایجوکیشن انسٹی ٹیوٹ کے بانی ڈائرکٹر کارسن نے ٹائمز آف انڈیا کے اپنے ایک حالیہ مضمون میں لکھا کہ فروری ۱۰، ۱۹۵۹ کی شام کو وزیر اعظم سے گفتگو کے دوران کنگ کو یہ معلوم نہ ہو سکا" کہ ہندوستان کا ولولہ خیز نیوکلیائی پروگرام (جس پر اس وقت کے تحقیقی بجٹ کا تہائی حصہ صرف ہو رہا تھا) ایک دن نیوکلیائی اسلحے پیدا کرنے لگے گا۔"

ہندوستان جانے سے چند دن پہلے کنگ نے نیویارک میں "وار ریزسٹرز لیگ" کو خطاب کرتے ہوئے کہا، "سماجی انصاف قائم کرنے کا بالآخر کیا فائدہ ہوگا اگر تمام لوگوں کو، کیا نیگرو اور کیا سفید فام، اسٹرونٹیم ۹۰ (تابکاری) یا ایٹمی جنگ سے تباہ ہو جانے کا خطرہ درپیش ہو؟"

کارسن نے 'اسپین' کو دئے جانے والے ایک انٹرویو میں بتایا، "جب وہ نہرو کے ساتھ ذکر کر رہے تھے تو شاید انھیں احساس ہو گیا تھا کہ یہ نہرو کا نقطۂ نظر نہیں ہے۔ اب ہم جان چکے ہیں کہ ہندوستان اپنا جوہری پروگرام پہلے ہی سے شروع کر چکا تھا۔ اسے چین سے خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ کئی عوامل میں سے یہ سب سے اہم تھا جس کے سبب وہ اپنے دورے کے آخری مرحلے میں گاندھی کے سابق رفقاء سے کہیں زیادہ گاندھیائی ہو گئے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ گاندھی کے نظریات سے مزید واقف ہونے کے لئے ہندوستان تشریف لائے اور جب وہ ہندوستان چھوڑ رہے تھے تو وہ ایک برتر و ممتاز گاندھیائی ہو چکے تھے۔"

ریڈک نے اپنے سفرنامے "وتھ کنگ تھرو انڈیا" میں تحریر کیا کہ درحقیقت نہرو کو اعتراف تھا کہ "ایک فرد اور گاندھی کے پیرو کی حیثیت سے وہ زندگی کے ہر مرحلے میں افراد، گروہوں اور ملکوں کے مابین غیر متشدد مزاحمت کی حمایت کرتے ہیں لیکن ایک سربراہ ملک کی حیثیت سے ان کا خیال ہے کہ ایک ایسی دنیا میں جس میں عدم تشدد کے اصول کو تسلیم نہ کیا گیا ہو، کسی ملک کا تن تنہا اس راہ پر گامزن ہونا ایک فاش غلطی ہوگی۔"

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کارسن فوری طور پر صرف ایک ملک کے بارے میں سوچ سکتے تھے جس نے ایسا کر دکھایا تھا، اور وہ ملک تھا کوسٹاریکا۔ کارسن کہتے ہیں، "میرے خیال میں عدم تشدد ان نظریات میں سے ایک ہے جس کی توقع ہر شخص دوسروں سے کرتا ہے لیکن بذات خود اس پر عمل پیرا ہونا دشوار ہوتا ہے، خاص طور پر ایسے معاملات میں جب ہم سمجھتے ہوں کہ ہمارے پاس ایسی بیش بہا شے ہے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے۔"

وہ کہتے ہیں، "میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے ہندوستان کو نوبل انعام برائے امن کی راہ پر گامزن کر دیا تھا کیوں کہ اس وقت تک وہ نہ صرف ایک بین الاقوامی شخصیت بن گئے تھے بلکہ دنیا کی عظیم ترین اور فقید المثال جد و جہد کی آفاقی علامت بن چکے تھے۔ بیسویں صدی کی اس جد و جہد کا نصب العین دنیا کی اکثریت کو ان کے بنیادی حقوق دلوانے تھے۔" "کنگ اور گاندھی اس نصب العین کی بنیادی علامتیں ہیں۔ گاندھی قتل کر دئے گئے اور کنگ، ممتاز ترین عالمی علامت کی حیثیت سے صدی کے مرکزی اور کلیدی مسئلے کے تعمیری حل کے لئے تن تنہا رہ گئے۔"

کنگ کے مضامین اور تقاریر کے مجموعے 'آٹو بایوگرافی' کو کارسن نے مرتب کیا تھا۔ اس کے مطابق کنگ یہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان دو قسم کے افراد میں بٹا ہوا تھا۔ اولاً وہ لوگ جو اسے "جلد از جلد جدید اور مغربی طرز کا بنانا چاہتے تھے تاکہ معیار زندگی کو بلند کیا جا سکے، اور دوئم وہ لوگ جو یہ محسوس کرتے تھے کہ مغربی زندگی "مادہ پرستی، ہلاکت خیز مسابقت اور غیر شائستہ خود پرستی کو جنم دے گی" اور اس سے ہندوستان کی روح "پژمردہ ہو سکتی ہے۔"

کنگ کا احساس تھا کہ نہرو "ان دونوں انتہائی طرز عمل کے درمیان ایک معتدل راہ اپنانے" کی کوشش کر رہے تھے۔ کنگ کو یاد آیا کہ دوران گفتگو نہرو نے کہا تھا: "کچھ چیزیں صرف بڑی انڈسٹریوں سے ہی حاصل کی جا سکتی ہیں" اور یہ کہ ریاست کی چشم نگراں 'پوشیدہ خطرات کا ازالہ کرنے کے لئے سید

کنگ زن و شو' پہنچنے کے بعد (تصاویر اوپر سے نیچے) صدر جمہوریۂ ہند راجیندر پرساد، وزیر اعظم جواہر لال نہرو اور طویل عرصہ سے گاندھیائی امرت کور سے ملاقات کرتے ہوئے۔

مزید معلومات کے لئے:

واشنگٹن ڈی سی خطاب

http://www.americanrhetoric.com/speeches/mlkihaveadream.htm

مارٹن لوتھر کنگ جونیئر ریسرچ اینڈ ایجوکیشن انسٹی ٹیوٹ

http://mlk-kpp01.stanford.edu/

دی کنگ سینٹر

http://www.thekingcenter.org/

موہن داس کرم چند گاندھی کے افکار و خیالات کے مطالعہ اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات کی غرض سے ۵۰ سال پہلے مارٹن لوتھر کنگ جونیئر کی ہندوستان آمد کے سلسلے میں پورے ہندوستان میں منعقد کی جانے والی تقریبات کو امریکہ کی وزارت خارجہ اپنا تعاون پیش کر رہی ہے۔ گاندھی جی کے تجربات نے امریکہ کی شہری حقوق کی تحریک کو بہت متاثر کیا ہے۔ کنگ اور گاندھی کی وراثت کی اہمیت کی بازیافت کے سلسلے میں ہندوستان کے اپنے ہم منصبوں سے ملاقات کی غرض سے مارٹن لوتھر کنگ سوئم ' شہری حقوق تحریک کے ممتاز نمائندے جان لیوس ' اور جاز مو سیقار ہربی ہنکوک پر مشتمل ایک وفد نے ہندوستان آنے کا فیصلہ کیا۔ یہ وفد بعض ان اہم مقامات کا دورہ کرے گا جو گاندھی جی کے کام سے جڑے ہوئے ہیں جیسا کہ فروری ۹ سے مارچ ۱۰ ' ۱۹۵۹ تک کنگ اور اسکی زوجہ کو ریٹا نے کیا تھا۔ تقریبات کے سلسلے کی شروعات جنوری ۱۵ کو دہلی کے انڈیا انٹرنیشنل سینٹر کے گاندھی کنگ میموریل پلازہ میں موم بتیاں روشن کرنے کی تقریب سے ہوئی۔ امریکن سینٹر، گاندھی پیس فاؤنڈیشن ،ورکنگ گروپ آن الٹر نیٹیو اسٹریٹیجیز اور دوسرے اداروں کی جانب سے منعقد اس تقریب میں تقریباً ۶۰ لوگوں نے موسیقی ' نغموں اور باہمی رابطوں کا لطف اٹھایا۔ اس شام کے اختتام پر لوگوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر امریکن سول رائٹس موو منٹ کا ترانہ ' ہم ہونگے کامیاب ' گایا۔ ٹچ اے کورڈ آرگنائزیشن کے بچوں کے نغمات ' جذامی مشن کی جانب سے پیش کئے جانے والے ترانوں اور امریکی سفارت کاروں کی جانب سے پیش کی جانے والی موسیقی نے لوگوں کو متاثر کیا۔

تصاویر: ہیمنت چیٹلگر

کوریتا اسکاٹ کنگ ہندوستانی خواتین کے ساتھ۔

جی رام چندرن، سکریٹری، گاندھی نیشنل میموریل فنڈ، جنھوں نے کنگ کے دورۂ ہند کے لئے مالی تعاون دیا، انھیں کتابوں کا تحفہ پیش کرتے ہوئے۔

کنگ کوٹکر سینٹر میں جس نے اس دورے کو اسپانسر کیا۔

سپر ہوں گی۔ ساتھ ہی ساتھ نہرو نے کتائی، بنائی اور دوسری گھریلو اور دیہی دستکاریوں کے فروغ کی بھی حمایت کی تاکہ "مقامی کمیونٹی کو حتی الممکنہ مالی استحکام اور آزادی حاصل ہو سکے۔"

پچاس سال قبل ہونے والی گفتگو آج بھی ایسی لگتی ہے جیسے گذشتہ جمعہ کی رات کو ہوئی ہو۔

دوران گفتگو ذات پات کی بنیاد پر ہونے والی تفریق بھی زیر بحث آئی۔ نہرو نے اس تفریق کی بیخ کنی کے لئے ہندوستان کی کوششوں کو بیان کرتے ہوئے یونیورسٹی داخلوں میں دلتوں کو ترجیح دئے جانے کی پالیسی کا ذکر کیا۔ جب امریکہ میں افریقی امریکیوں کو اسی قسم کی ترجیح دی گئی تو صورتحال انتہائی متنازع ہو گئی تھی۔ اور ہندوستان میں اس پالیسی کے خلاف احتجاج ایک نوشتۂ دیوار تھا۔ نہرو نے وضاحت کی "ہم نے ان لوگوں کے ساتھ صدیوں تک جو ناانصافیاں روا رکھی ہیں، اس کے کفارے کے لئے ہمیں یہ پالیسی اپنانی ہوگی۔" امریکہ میں جب یکساں طریقۂ کار جسے "مثبت اقدام" کہتے ہیں اپنایا گیا تو یہی جواز فراہم کیا گیا تھا۔"

کنگ اس بات سے خوش تھے کہ ہندوستانی قائدین نے، دلتوں کے ساتھ تفریق کے خلاف وضع کئے گئے قوانین کو اپنی اخلاقی قوت سے نوازا تھا۔ وہ جب وطن واپس لوٹے اور ان چیزوں کے بارے میں بتایا تو ان کے گوشۂ خیال میں یہ تصور گھر کر گیا تھا کہ یہ قوانین اور حکومت کی جانب سے ملنے والی حمایت جلد ہی ذات پات پر مبنی تفریق کا خاتمہ کر دیں گے۔ انہوں نے نچلی ذاتوں کو تعاون دینے والے دیہی پروجکٹوں کی بھی تعریف کی۔ ایک سال قبل گیان پبلشنگ ہاؤس سے شائع شدہ کتاب "دلتوں کے تناظر میں حقوق انسانی" کے مصنف ہنری تھیاگاراج نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر کنگ باحیات ہوتے تو اس بات پر وہ حیران و ششدر رہ جاتے کہ ۵۰ سالوں بعد فلاحی منصوبوں کا وہ خواب آج بھی تحفۂ تعبیر ہے۔

تھیاگاراج نے 'اسپین' سے گفتگو کرتے ہوئے کہا "۱۹۶۰ کی دہائی میں سیاہ فام امریکیوں کے ساتھ ہونے والے جنگ آمیز سلوک، ان پر تشدد اور ان کی مصیبتوں کا موازنہ ہندوستان میں اچھوتوں کے ساتھ روا سلوک سے کیا جا سکتا ہے۔ چھوا چھوت، میرے خیال میں اور میرے مطالعے کے مطابق، نسلی تفریق سے عبارت ہے۔ ہندوستان میں اس تفریق کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ اسے مذہبی جواز و حلت بھی حاصل ہے۔ یکسانیت کی ایک مثال دیتے ہوئے تھیاگاراج نے بتایا کہ ہندوستانی گاؤں میں آج بھی دلت اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی بستیاں الگ الگ ہوتی ہیں۔ تھیاگاراج کہتے ہیں کہ نسلی تفریق مخالف قوانین کے نفاذ سے قبل افریقی امریکیوں کو بھی بعینہ ایسی ہی صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ان قوانین نے افریقی امریکیوں کو مکان فروخت کرنے یا کرایہ پر دینے سے انکار پر پابندی عائد کر دی۔ دوسری یکسانیتوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ کچھ اور مثالیں دیتے ہیں مثلاً "دلت بچوں کو الگ بیٹھنے اور کھیلنے پر مجبور کیا جاتا ہے، اور جس نل سے اعلیٰ ذات کے بچے پانی پیتے ہیں، اس نل سے انہیں پانی پینے پر پابندی عائد ہوتی ہے۔"

قوانین اور حفاظتی تدبیریں دیہی علاقوں میں نافذ العمل نہیں ہیں جہاں زمیندار اپنے صدیوں پرانے امتیازی سماجی رسم و رواج کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ ان رسم و رواج کی خلاف ورزی کی سزا "خود ساختہ عدالتوں سے دی جانے والی سزائے موت ہوا کرتی ہے۔" کنگ اور ان کے افریقی امریکی ہم عصروں کو جنوبی ریاستوں میں اسی قسم کی تفریق کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ ۱۹۶۰ کی دہائی میں، جنوبی امریکہ اور بعض مقامات پر اس کے بعد بھی، عوامی نلوں اور بیت الخلاء پر "گوروں" اور "کالوں" کے لئے لکھا ہوتا تھا۔

کنگ نے اپنے دورۂ ہندوستان کے بارے میں جو دردناک کہانیاں سنائیں ان میں سے ایک کہانی نے بڑے موثر طور پر دونوں ممالک میں امتیازی سلوک کی یکسانیت سے انہیں باخبر اور آشنا کر دیا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ دلت بچوں کے لئے مختص ایک اسکول کے پرنسپل نے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا تھا "امریکہ سے آئے ہوئے ایک اچھوت ساتھی" سے ملئے۔ چھ سالوں بعد انہوں نے امریکی چرچ کے ایک اجتماع میں اس تجربے کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا "ایک لمحے کے لئے میں حیران و ششدر رہ گیا۔ مجھے افسوس بھی ہوا کہ اچھوت کہہ کر میرا تعارف کرایا گیا۔"

انہوں نے کہا کہ پھر انہوں نے سوچا کہ حقیقت تو یہی ہے کہ ان کے دو کروڑ سیاہ فام ساتھی "بڑے شہروں میں، ابھی بھی کم و بیش چوہوں سے بھری، عارضی جھگی بستیوں میں رہتے ہیں، آج بھی کمتر اسکولوں میں پڑھتے ہیں جہاں کھیل کود کی سہولتیں انتہائی ناکافی ہیں۔ انہوں نے خود سے کہا "ہاں، میں بھی اچھوت ہوں، اور میں ہی کیا امریکہ کا ہر نیگرو اچھوت ہے۔"

کنگ کی آنکھیں بھر آئیں جب انہوں نے چھوٹے چھوٹے گاؤں کا دورہ کیا اور سیکڑوں لوگوں کو فرش زمین پر سوتے دیکھا یا اسی چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں میں گایوں اور مرغیوں کے ساتھ رہتے دیکھا جہاں نہانے دھونے کے لئے پانی میسر نہ تھا۔ سوانح حیات کے مطابق، انہوں نے کہا "جلد ہی ہم نے یہ معلوم کر لیا کہ یہ لوگ اچھوت تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو سخت ترین محنت کرتے تھے اور اس کے باوجود پامال کئے جاتے تھے اور ان کو پامال کرنے والے کوئی اور نہیں ہندوستانی ہی تھے۔ گاندھی نے اس نظام کا مشاہدہ کیا اور اسے برداشت نہ کر سکے ..... انہوں نے یہ طے کیا کہ وہ اس کے خلاف آواز اٹھائیں گے اور پوری زندگی اس کے خاتمے کے لئے کوشاں رہیں گے۔" کنگ نے بتایا کہ گاندھی نے اپنی بیوی کی مرضی کے خلاف ایک اچھوت کو اپنی بیٹی بنا لیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ کس طرح گاندھی اس وقت تک بھوک ہڑتال کرتے رہے جب تک کہ اچھوتوں کو ہندو مندروں میں داخلہ نہیں مل گیا۔ کنگ نے کہا "انہوں نے اپنی ذاتی زندگی میں یہ کر کے دکھا دیا کہ چھوا چھوت کا خاتمہ یقینی ہے۔"

شکاگو، ایلی نوائے میں قائم انٹرفیتھ یوتھ کور کے ایگزیکٹیو ڈائریکٹر ایبو پٹیل کہتے ہیں "۵۰ سال بعد بھی ذات پات اور نسلی تفریق کے وجود سے ہمیں مایوس اور دلبرداشتہ نہیں ہونا چاہئے۔ یہ چیزیں ہمیں پہلے سے کہیں زیادہ ابنائے آدم کی ان درخشاں مثالوں کی ضرورت کا احساس دلاتی ہیں جو ایک ہدف مشترک اور ایک آفاقی نیکی کے لئے ذات پات اور نسلی تفریق کی وسیع خلیج کو عبور کرتے ہیں"۔ 'اسپین' سے گفتگو کے دوران پٹیل کہتے ہیں "بھلے ہی اس ہدف کو ہم اب تک حاصل نہیں کر سکے لیکن کنگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ 'کائنات اخلاق کی کمان گو کہ لمبی ہے لیکن اس کا فطری جھکاؤ عدل و انصاف کی جانب ہی ہے۔' انسانیت پر شہید ہو جانے والے دونوں افراد، گاندھی اور کنگ اپنی محنت شاقہ کا ثمر نہ دیکھ سکے۔ لیکن ان کی حیات آج بھی جادۂ حق و انصاف کو منور کیے ہوئے ہے۔"

کنگ زن و شو نے ہندوستان کو بڑی حد تک دیکھا۔ وہ لوگوں سے ملاقات کے لئے صبح سویرے اٹھنے کے عادی ہو گئے۔ کبھی کبھی انہوں نے کیلے کے پتوں پر کھانا کھایا، فرش پر پالتی مار کر بیٹھے، دیہی علاقوں سے گزرتے ہوئے طلبہ اور صاحبان علم و دانش سے ملاقاتیں کیں، کیرالا میں تیراکی کی، تاج محل کا نظارہ کیا ..... گیا اور شانتی نکیتن کی بیش قیمت وراثتیں دیکھیں، اور ہندوستان کے جنوبی سرے پر واقع کیپ کورمورن سے بیک وقت غروب آفتاب اور طلوع ماہ مبین کا منظر دیکھا۔ بیک وقت دو روشنیوں کی درخشانی کا یہ حسین منظر کنگ اور مسز کنگ کے دل و دماغ میں اس طرح بس گیا کہ انہوں نے اسے اپنے ایک وعظ کا موضوع بنایا۔

ان کی زیارت ہند نامکمل رہ جاتی اگر وہ سابرمتی آشرم میں وقت نہ گزارتے۔ اس آشرم کو گاندھی نے جنوبی افریقہ سے واپس ہونے کے بعد قائم کیا تھا۔ یہاں انہوں نے سوامی وشوآنند کے بقول "ملک کی آزادی اور ایک نئے سماجی نظام کے قیام کے لئے حکمت عملی وضع کرنے کا کام انجام دیا۔ سوامی نے کنگ اور مسز کنگ کے ہمراہ اپنے اسفار کی تفصیلات اپنی ذاتی یادداشت میں درج کی ہیں جسے گاندھی نیشنل میموریل فنڈ نے شائع کرایا ہے۔ یہی آشرم تھا جہاں گاندھی کے قریب ترین رفقاء کار کو عدم تشدد کی تعلیم و تربیت دی گئی اور جہاں سے گاندھی نے سمندر کے لئے کوچ کیا تھا۔ وشوآنند نے لکھا "کنگ زن و شو کو آشرم جیسے مقدس مقام پر جانے کا موقع ملا جہاں ان کی ملاقات یہاں قیام پذیر ۶۰۰ یا اس سے زیادہ لوگوں سے ہوئی۔ ان میں سے بیشتر ہریجن تھے۔" "ہم لوگ جب آشرم سے لوٹے تو ذہن تازگی سے معمور تھا اور ہم لوگ اس دورے کے متشکر و ممنون تھے جس نے ہمیں پاکیزگی اور قوت بخشی تھی۔"

کنگ کے دورۂ ہند کے چند پڑاؤ

کنگ نے جو تجربہ حاصل کیا وہ جگ ظاہر ہوا۔ امریکہ لوٹ کر انہوں نے زندگی کے جو ماہ و سال گزارے وہ جلوسوں، دعوت و تبلیغ، لوگوں کو بیدار کرنے، لوگوں کو سمجھانے بجھانے اور ترغیب دینے میں صرف ہوئے تاکہ ناانصافی اور نسلی تفریق پر مبنی بدی کا خاتمہ ہو جو ان کے خیال میں، ملک کی اس عظمت کے حصول میں سدراہ تھی جس کا وہ مستحق ہے۔

آزادی کے متوالوں کی حوصلہ افزائی کے لئے، کنگ نے اس یکم مارچ، ۱۹۵۹ کا ذکر کیا جب وہ احمد آباد کے آشرم میں تھے۔ انہوں نے بتایا کہ گاندھی نے کس طرح چند آدمیوں کے ساتھ ۳۲۲ کلومیٹر طویل ڈانڈی مارچ کا آغاز کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس جلوس میں لاکھوں لوگ شامل ہو گئے جنھوں نے مٹھی بھر نمک بنا کر قانون شکنی کی۔ کنگ نے اسی لب و لہجے میں سامعین کو یہ کہانی سنائی جس انداز میں وہ مقدس صحیفے کی تبلیغ کرتے ہیں۔ یہ انداز سامعین کو جوش و ولولے سے بھر دیتا ہے اور انھیں مسحور کر دیتا ہے:

"اور گاندھی نے اپنے لوگوں سے کہا: 'اگر تمھیں کوئی چوٹ لگے تو پلٹ کر وار مت کرو، اگر وہ تم پر گولیاں برسائیں تو بھی تم ان پر گولیاں مت چلاؤ۔ اگر وہ تم پر لعنت و ملامت کریں تو بھی تم ان پر لعن طعن مت کرو، بس آگے بڑھتے جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہم میں سے کچھ مر جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہم میں سے کچھ گرفتار کر لئے جائیں، لیکن ہم کو آگے ہی بڑھتے رہنا ہے۔ اور وہ چلتے رہے، چلتے رہے، آگے بڑھتے رہے۔"

اس مضمون کے متعلق اپنی رائے اس پتے پر لکھیں:
editorspan@state.gov

نیچے: سفید چادر میں ملبوس موہن داس کے۔ گاندھی، نئی دہلی میں، مارچ ۱۹۳۶ میں دوسروں کے ساتھ مارچ کرتے ہوئے۔
بائیں: سفید کیپ پہنے مارٹن لوتھر کنگ جونیئر، دیگر افراد کے ساتھ مارچ ۱۹۶۵ میں سیلما سے مونٹ گومری، الباما مارچ کرتے ہوئے۔